شیخ عبدالمجید احرار امرتسری

لمحۂ فکریہ!

قیام پاکستان کے وقت قوم کے ساتھ یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس مملکت خداداد میں اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم کیا جائیگا جس کے تحت ایک ایسا معاشرہ معرض وجود میں لایا جائے گا جو ساری دنیا کے لئے بالخصوص عالم اسلام کیلئے مشعل راہ ہو گا۔ لیکن جاننے والے اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ وقت کے سیاسی بازی گروں نے بوجوہ الٹی زقند لگا کر نہ صرف یہ کہ قوم سے کیا ہوا عہد پس پشت ڈال دیا بلکہ اس حقیقت کو بھی بھلا دیا کہ قوم نے صرف "پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الا اللہ" کے نام پر دس لاکھ سے زائد مسلمان شہید کرائے اور پچاس ہزار بہو بیٹیوں کی بے حرمتی صرف اس لئے گوارہ کی کہ پاکستان نام کے اس خطہ میں اسلام کی شمع کو فروزاں کیا جائے گا۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ اُس وقت چونکہ مسلم لیگ قوت حاکمہ کا روپ دھار چکی تھی اس لئے اپنے وعدہ کی بنا پر یہ فرض بھی اس پر عائد ہوتا تھا کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرے مگر نیتوں میں خلوص نہ تھا اس لئے معتد بہ اکثریت نے رضا کار سے لیکر لیڈر تک کارخانوں، فیکٹریوں، اور زمین کی الاٹمنٹ کو پاکستان کے قیام کا مقصد وحید قرار دے لیا اور پھر اس پر پل پڑے۔ جو صاحب رسوخ تھے ان کے پو بارہ ہو گئے جو چھوٹے درجہ کے تھے انہوں نے بڑوں کی سفارش کا سہارا لیا۔ کچھ نے بڑوں کی سفارشات کے آسرے پر رشوت وبخشیاں قائم کر کے قوم کے بے آسرا لوگوں کو لوٹا۔ جب خواص کا یہ حال ہو تو عوام کیوں پیچھے رہتے نتیجتاً کسی نہ کسی انداز میں قوم کی اکثریت بھی اس لوٹ کھسوٹ میں شامل ہو گئی اور وہ واضح و اعلیٰ مقصد جس کیلئے پاکستان معرض وجود میں لایا گیا تھا آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور جو شخص خوف خدا اور ذاتی شرافت کی وجہ سے آلودہ دامن نہ ہوا بے وقوف کہلایا۔ مسلم لیگ کی اس کرم فرمائی نے قوم میں کنبہ پروری، رشوت ستانی، بددیانتی اور ہیرا پھیری کے ایسے جراثیم پیدا کر دیئے ہیں کہ ہر شعبۂ زندگی میں بد قماشی شعار بن گئی۔ حتیٰ کہ برآمدات تک بری طرح متاثر ہوئیں جس سے ملک کی مالی ساکھ کو دھچکا لگا۔ اندرون ملک سمگلنگ بلیک مارکیٹنگ، ملاوٹ اور چور بازاری کاروبار کے سنہری اصول قرار پا گئے اور مقتدر لیڈران کرام اپنی گروہی اٹھا پٹخ میں اس حد تک مصروف ہو گئے کہ پاکستان کی بقاو استحکام معرض خطر میں پڑ گیا۔ یہی وجہ تھی جب ۱۹۵۸ء میں مارشل کا نفاذ عمل میں آیا تو چاروں طرف انقلاب کا غلغلہ بلند ہوا۔ کوئی نہیں تھا جو ان فرزندان مسلم لیگ کی پسپائی پر آنسو بہاتا۔ اسلام کے معاملہ میں مسلم لیگ نے نہ صرف قوم سے بد عہدی کی بلکہ اللہ اور اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی غداری کی ہے۔ مسلم لیگ کے بلا شرکت غیرے گیارہ سالہ اور اس کے بعد ایوب خان کے دس سالہ دور اقتدار نے قوم کے اندر بے حسی کی حد تک مایوسی پیدا کر دی یہ اس بات کا ہی نتیجہ تھا کہ ان اکیس برسوں میں برسر

اقتدار آنے والے ان بزرجمہروں نے اسلام کے نام پر ہی اسلامی قدروں کو کند چھری سے ذبح کیا۔ نظریہ پاکستان کو منوں مٹی کے نیچے دفن کرنے کی کوشش بھی اسلام ہی کے نام پر فرمائی۔ ثقافت کے نام پر اسلامی قدروں کو بُری طرح پامال کیا گیا۔ ہوٹلوں اور کلبوں میں ان کے کرتوت دیکھ کر شرافت و انسانیت محو حیرت اور دم بخود ہے۔ جب پاکستان کے داعی اسلام کے مقدس نام پر قوم کی بے مثل قربانیوں کے نتیجہ میں برسر اقتدار آنے کے بعد یہ عملی تعبیر پیش کریں کہ شرم بھی شرم سے منہ ڈھانپ لے تو اسکا نتیجہ کیا ہونا تھا یہی کہ لوگ اس طائفہ مقدسہ سے ہی بیزار نہیں ہوئے بلکہ مذہب سے بھی برگشتہ نظر آنے لگے۔ مذہب سے بیگانگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب مسلم لیگ نے اَنا ولا غیری کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مذہبی اور سیاسی شعور رکھنے والی منظم جماعتوں (خصوصاً مجلس احرار اسلام) کو سپر اندازی پر مجبور کر دیا تو قوم کی مذہبی حِس کو برقرار رکھنے اور سیاسی موراں کو سہارا دینے کیلئے ملک میں کوئی منظم جماعت موجود نہیں تھی۔ اس موقع پر علماء کرام کا فرض تھا کہ دین حق کی خدمت کیلئے میدان عمل میں آتے اور نہ صرف مذہب کا تحفظ کرتے بلکہ قوم کے ذہن کو بھی مسموم ہونے سے بچاتے لیکن دلی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دینی قوتیں اپنا یہ فرض کماحقہ پورا نہ کر سکیں۔ جب مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی قراردار مقاصد کو مقتدر گروہ نے اپنے بے دین مقاصد کے خلاف سمجھتے ہوئے سپوتاژ کر دیا تو اس پر بھی ان کی خاموشی نہ ٹوٹی۔

اس وقت صرف مجلس احرار اسلام واحد دینی جماعت تھی جس نے دینی قوتوں کو بیدار کرنے کا عزم کیا اور استقامت کے ساتھ عمل کے میدان میں جم گئے۔ احرار ۱۹۴۹ء میں انتخابی سیاست سے دست بردار ہو چکے تھے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے واضح اعلان کیا کہ: "ہم سیاسی میدان میں مسلم لیگ کے حریف نہیں لیکن دینی معاملات میں حکومت کو کسی غلط اقدام کی اجازت نہیں دیں گے۔ اور انتخابی سیاست سے دست برداری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے ملکی معاملات سے بھی دست کشی اختیار کر لی ہے۔ ہم پاکستان کے شہری ہیں اور ملک کے تمام معاملات میں اپنی رائے کے اظہار کا قانونی و آئینی حق رکھتے ہیں۔ اور اس حق سے کسی صورت دست بردار نہیں ہوں گے"۔

مجلس احرار اسلام نے جب محسوس کیا کہ انگریزی ایجنٹ قادیانیوں کا مرتد ٹولہ پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازشیں کر رہا ہے اور مسلمانوں کے دینی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے تو احرار رہنماؤں نے پاکستان کی تمام دینی، سیاسی جماعتوں کو متحد کر کے کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تشکیل دی اور ۱۹۵۳ء میں ایک عظیم الشان تحریک برپا کر کے دینی قوتوں کو بیدار کیا اور ان کے جمود کو توڑ کر بے حسی کے خلا کو پُر کر دیا۔ خواجہ ناظم الدین کی لیگی حکومت نے تشدد کے ذریعے تحریک کو بظاہر کچل دیا اور ہزاروں مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ رہنما اور کارکن جیلوں میں قید کر دیئے اور ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

تاہم اسی ملی درد کو محسوس کرتے ہوئے پاکستان کے ۳۳ جید اور نمائندہ علماء نے متفقہ طور پر ۲۳ نکاتی اسلامی دستوری خاکہ مرتب کیا جس پر تمام مسالک کے علماء نے دستخط کر کے اس جمود کو توڑا۔ علماء کے اس ۲۳ نکاتی فارمولے کو بنظرِ استحسان دیکھا گیا۔ لیکن کیا اس کو پاس کر دینا ہی کافی تھا؟ اس کے نفاذ کی جدوجہد بھی تو علماء اور دینی جماعتوں کی ذمہ داری تھی اور ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں میں جس طرح نظریۂ پاکستان کا مذاق اڑایا گیا ہماری وہ دینی جماعتیں جن کا مزاج "جمہوری" ہو چکا ہے اس سے الگ رہتے ہوئے بھی اس میں شریک اور ملوث ہیں کیونکہ ان کے گروہی اور ذاتی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقتدر حضرات نے اپنی شیطانی اغراض کو پورا کرنے کیلئے اسلام کے ساتھ غیروں سے بھی بدتر سلوک کیا لیکن آپ مصلحتوں کے گنبد سے باہر آنے کو تیار نہ ہوئے۔ اگر اتحاد بین المسلمین کیلئے ہی خالصتاً اللہ کے لئے اسلام کو واسطہ بنا کر پیش کیا ہوتا تو ملک میں سنی، شیعہ یا دیوبندی، بریلوی فسادات نہ ہوتے اور ۱۹۵۶ء میں چودھری محمد علی کو یہ جرأت کبھی نہ ہوتی کہ علماء کے پاس کردہ دستوری خاکہ کو نظر انداز کر کے پارلیمنٹ میں کوئی آئین پیش کرتے! اگر دینی قوتیں محض دین ہی کے نام پر متحد ہو کر حکمرانوں کے لادینی اقدامات کے خلاف بھرپور مزاحمت کرتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔

ایوب خان کے دور میں اسلام کے ساتھ جو استہزاء ہوتا رہا وہ ظاہر و باہر ہے۔ منکرین حدیث کی ہمت افزائی کی گئی۔ رسوائے زمانہ عائلی قوانین کا نفاذ ہوا۔ موصوف نے اپنی حکومت کی میعاد بڑھانے کیلئے نہایت شاطرانہ انداز میں نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو باہم متصادم کرا دیا بلکہ بی۔ ڈی نظام رائج کر کے برادری سسٹم کو ہوا دی اور پاکستان کی قومی وحدت ارائیوں، کشمیریوں، جاٹوں، مغلوں اور چیمے چٹھوں اور اس طرح کی کئی اکائیوں میں تقسیم ہو گئی۔ لیکن آپ نے اس خلافِ اسلام نظام کے خلاف کوئی متفقہ اور موثر قدم نہ اٹھایا اور پاکستان کا نیرو دس سال تک چین کی بانسری بجاتا رہا۔ جاگیردار اور سرمایہ دار ایوبی دور میں ملک کی دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر اپنی تجوریاں بھرتے رہے۔ صنعت کے بنیادی تحفظ کی یک طرفہ اور غلط پالیسی نے نہ صرف مزدوروں کے لئے لاتعداد مسائل پیدا کر دیئے بلکہ عوام بے روزگاری اور مہنگائی کے دو پاٹوں میں پس کر فاقہ کشی سے دوچار ہونے لگے۔ پھر یحییٰ خان کی زیرِ قیادت ملک میں مارشل لاء آ گیا۔ ان کے عہد حکومت میں بھی اسلام اور اسلامی قوتوں کے خلاف سابقہ پالیسیوں پر عمل جاری رہا۔ یہی کچھ ذوالفقار علی بھٹو کے آمرانہ عہد حکومت میں ہوا۔ ضیاء الحق مرحوم نے نفاذِ اسلام کا نعرہ تو لگایا مگر وہ سب کچھ کرنے کی قوت و اختیار رکھنے کے باوجود چند اقدامات سے آگے نہ بڑھے۔ البتہ ان کا یہ کارنامہ تاریخی ہے کہ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنایا اور قانونِ امتناعِ قادیانیت جاری کر کے عالم اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے سب سے بڑے ایجنٹ قادیانیوں کو اسلامی شعائر استعمال کرنے سے روک دیا۔ پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ کا دستوری باب المناک ہی نہیں عبرت ناک بھی ہے۔ وہ قوم جس نے قرآن کی عظمت، ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کی رسالت اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے اپنے دس لاکھ سے زائد سپوت قربان کر دیئے اور پچاس ہزار بہو بیٹیوں کی عصمت لٹوا دی۔ اس معاملہ میں بے بس اور تہی دست نظر آتی ہے۔

آج پھر ضرورت ہے کہ علماء میدان میں نکلیں اور عوام کی مایوسی کو امیدوں اور خوشیوں میں بدل دیں پاکستان کی لادین قوتیں پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔ حدود اللہ کو متنازعہ اور ظالمانہ کہا جارہا ہے۔ توہین رسالت کے سنگین جرم کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ عیسائی اقلیت امریکہ و برطانیہ کے سہارے اکثریت کے دینی و سیاسی معاملات میں غیر اخلاقی اور بلاجواز مداخلت کر رہی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ دینی قوتیں پھر بیدار ہوں اور اپنے ملک اور دین کے تحفظ کے لئے میدان میں نکل آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ قصص میں فرمایا ہے (المفہوم) "ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں جن لوگوں کو کمزور بنا دیا گیا ہے ان پر احسان کریں۔"

یعنی انہیں ملک کا رہنما اور حکومت و حکمت کے وارث بنا کر ملک میں مضبوطی کے ساتھ قائم کر دیں"۔

امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے اسی قرآنی آیت کو دستور انقلاب کا ماٹو بنایا اور اسی جدوجہد میں زندگی قربان کر دی۔ کیا ہمارے دینی رہنما اور دینی کارکن اس آیت پر غور فرمانے کی زحمت گوارہ کریں گے! حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے سانحۂ ارتحال پر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے جس طرح ان کے نواسے کے نام اپنے مکتوب گرامی میں اشک افشانی کی ہے وہ دل تھام کر پڑھنے کی چیز ہے!

دہلی ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء

عزیز القدر مولوی ظہیر الحق دین پوری سلمہ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے آزادی پر مبارکباد کا پیغام بھیجا شکریہ! خط پڑھتے ہی مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آئی اور اس طرح آئی کہ صدائے درد زبان تک پہنچی اور زبان نے نوک قلم کے حوالہ کیا۔

قصہ بہت طویل ہے۔ اسے مختصر کیا جائے تب بھی وقت سازگاری نہیں کرتا۔

۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے ایام تھے۔ ولی الٰہی قافلہ کے امیر حضرت مولانا محمود حسن (اسوی قرشی) قدس سرہ نے انتہائی نامساعد حالات میں مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیجا۔ ان کو وہاں مختلف ممالک کے سیاسی رہنماؤں سے مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ ان میں جرمن، فرانسیسی اور جاپانی سیاست دان جن میں چند ایک ایسے بھی تھے جو آج اپنے اپنے ملک میں برسر اقتدار ہیں اور عنان حکومت انہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ اس وقت کے سیاسی رفیق یا مشیر تھے جب مولانا نے کابل میں "حکومت موقتہ" قائم کی۔ خود اس کے وزیر خارجہ منتخب ہوئے۔ ریشمی رومال کی تحریک چلا کر برٹش حکومت کو للکارا اور میدان جنگ میں شکست دیکر اپنا موقف منوایا۔

جنگ کے خاتمہ پر مصالحتی دستاویز پر دستخط ہوئے اور برطانوی نمائندہ نے حکومت کابل کی خود مختاری کا اعلان کیا۔ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کو تسلیم کیا اور بتدریج ہند کو چھوڑنے کی وضاحت کر دی۔ مولانا کے اس اقدام کا انتقام برٹش حکومت نے امیر امان اللہ سے تو لے لیا مگر مولانا سندھی رحمہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ یہ مولانا کا ذاتی سیاسی اثر تھا جس سے وہ مرعوب تھی!

پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۵ء میں جب واپس ہندوستان پہنچے تو دوسری جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنی تحریک کانگرس میں پیش کرنے کیلئے میدان ہموار کیا۔ گاندھی جی تک نے تحریک کی مخالفت کی اس کے باوجود باؤس نے ہندوستان چھوڑ دو کا نعرہ لگا دیا۔ اور اس کی گونج بلگرام پیلس سے ٹکرائی۔ یہ سب کچھ مولانا نے باہر بیٹھ کر کیا۔ کسی بھی بحث میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کسی اجلاس میں شرکت کی۔ یہ فن صرف وہی جانتے تھے۔ ایک ملاقات میں جانے پر میں نے ان کے چہرے سے کچھ ایسا تاثر قبول کیا جس کی بنا پر ان سے پوچھ بیٹھا۔ فرمایا کہ چاہتا ہوں سو بھاش چندر اس وقت باہر چلے جائیں۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر رخصت ہوئے اور اوکھلے میں اپنی قیام گاہ پر چلے گئے۔ دوسرے دن اوکھلے سے دہلی کو ملانے والی آٹھ میل لمبی سڑک کے ایک ویران گوشے میں سوبھاش چندر سے انکی ملاقات ہو گئی۔ دوسری ملاقات ان کی بالی گنج کلکتہ میں ہوئی۔ اسی ملاقات میں اسے جاپان جانے کیلئے رخصت کیا۔

حکومت جاپان کے نام وزیر ہند حکومت موقتہ کی حیثیت سے اسے ایک شناختی کارڈ اور وہاں کے فوجی بورڈ کے سربراہ کے نام اپنا ذاتی پیغام دیا۔ سوبھاش چندر کے وہاں پہنچنے پر حکومت جاپان نے فوج میں ان پر اپنے اعتماد کا اعلان کیا۔ اعلان کا ہونا تھا کہ ادھر احمد نگر کے قلعہ سے کانگرس باغی کمان کی رہائی بلا شرط منظور کر لی گئی۔ ورنہ حکومت کا فیصلہ یہ تھا کہ پورے قلعہ کو مع سیاسی قیدیوں کے بم سے اڑا دیا جائے..... اور ساتھ ہی ہند کی آزادی کا اعلان کر دیا اور ہم آزاد ہو گئے!

کون جانتا ہے کہ کس کی قربانیاں ہیں؟ جاپانی حکومت نے حضرت مولانا پر اعتماد کیا۔ اس جرم کی سزا اسے ہیروشیما میں بھگتنی پڑی۔ حضرت مولانا کو ایسا زہر دیا گیا کہ جس نے ان کی ہڈیوں سے کھال کھینچ لی اور ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو اس مقام میں پہنچے جو پہلے ہی دن سے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اپنے حضور میں مخصوص کر رکھا تھا۔ اس وقت آسمان اشک بار تھا زمین رو رہی تھی۔ ہندوستان سوگوار تھا، جرمن اور جاپان کا علمی اور سیاسی طبقہ بھی شریک ماتم تھا۔ مگر حکومت برطانیہ نے اس خبر کو افواہ قرار دیا۔ تاج کے حکم سے وائسرائے ھند کے ذریعہ ایک تحقیقاتی بورڈ قائم ہوا۔ اس نے برطانیہ کے تمام سفارت خانوں سے رابطہ قائم کیا تب کہیں جا کر اطمینان نصیب ہوا اور یکم ستمبر ۴۵ء کو ایک سال نو دن بعد سرکاری طور پر بھی اس امر کی تصدیق کی کہ مولانا واقعی فوت ہو گئے ہیں۔

ایک انقلابی کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دیں اور پوری دنیا کو دوسرے پلڑے میں تو وہ ایک

پوری دنیا پر بوجھل ہوتا ہے۔ اب صرف ایک یاد باقی ہے اور اس یاد کے ساتھ غم!

آزادی مبارک، ان شہدا کو اور اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ان کی تربت پر ہوں۔ میں خیریت سے ہوں الحمد للہ۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کریں۔

والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔

والسلام

ابوالکلام

مولانا ابوالکلام آزاد کے مکتوب گرامی سے حضرت سندھی رحمہ اللہ کی عظیم شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ مفکرین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو فکر کے مستقل مکاتب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حضرت سندھی رحمہ اللہ کی شخصیت ہر عہد میں سیاسی اور معاشی غلامی کے خلاف لڑنے والوں اور سامراجی قوتوں کے چنگل سے انسانیت کو آزادی دلانے والے مجاھدین کیلئے مینارۂ نور کا کام دیتی رہے گی۔ حضرت موصوف کی سراپا ایثار، بے لوث اور تابناک زندگی، جدوجہد کے ہر مرحلہ میں نشانِ راہ ہے۔ وہ بچپن سے لیکر تادم مرگ برطانوی سامراج کے خلاف مصروف جہاد رہے۔

علامہ اقبال کے اس شعر میں حضرت سندھی رحمہ اللہ کی ساری زندگی کا نقشہ موجود ہے۔

قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
ڈھونڈی نہ جس نے سلطان کی درگاہ

خوش قسمتی سے ارض وطن پاکستان میں ایک کاروان سندھی رحمہ اللہ ہی ایسا تھا جو اس دستور انقلاب اور اسی نعرہ انقلاب کو لے کر چلا تھا۔ لیکن پھر کیا ہوا کہ خوش قسمتی، بد قسمتی میں بدل گئی اور وہ چند سوختہ جاں مقدس انقلابی نفوس۔۔۔۔کہاں کھو گئے۔ کس صحرا میں گم ہو گئے؟

کیا ہمارا کوئی مہربان، وارثان دیوبند سے تاریخ کا یہ بھولا بسرا سوال پوچھ کر بتا سکتا ہے؟

بقیہ از ص ۷

لیکن ٹانگوں سے باندھے ہوئے نوٹ "متلاشیان" کے ہاتھ نہ لگے۔ یہ جھوٹ اور جہالت کی انتہا ہے۔

جمنا داس اختر ہندو ہونے کے باوجود قادیانی نواز صحافی ہے۔ کئی مرتبہ اس کے مضامین قادیانیوں کی حمایت میں انڈیا کے اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں، قیام پاکستان کے وقت شیخ صاحب خود ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک تھے ان کی بسیں مہاجرین کے لئے وقف ہو گئیں، جو انہیں ہندوستان کے فسادزدہ علاقہ سے بحفاظت نکال کر پاکستان پہنچاتیں۔ ایسے انسان کے متعلق کیسے باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ بھارت پاکستان کے خلاف امداد لینے گیا ہو گا۔ وہ تحریک آزادی کے سچے مجاہد تھے۔ انہوں نے برصغیر سے انگریزوں کے انخلاء کے لئے اپنی شعلہ بیانیوں سے عوام کو متحرک کیا۔ شیخ صاحب کا ماضی بے داغ اور ان کی قومی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔